غـزلیں

صہباؔ وحید

○

کیا قیامت ہے اُسے جانِ غزل کہنا ہے
جس نے اظہار تمنّا کو خلل کہنا ہے

لڑکھڑانا ہے اُسے دیکھ کے میں نے سرِ بزم
اور پھر اُس نے بھی اِٹھلا کے 'سنبھل' کہنا ہے

دل جو رکھنا ہے تو پھر دست شناسی ہے خوب
اُس کے ہاتھوں کی لکیروں کو سپھل کہنا ہے

اُس نے ہر بات کی تاویل نئی کر ڈالی
ہم نے کس ماہ کو اب ماہِ عسَل کہنا ہے

زندگی دے، نہ دے مہلت کوئی پھر، کیا معلوم
آج کہہ ڈالیے، جس بات کو کل کہنا ہے

مسئلہ یہ نہیں ہے، کون ہے کتنا قابل
مسئلہ یہ ہے، کسے کس کا بدل کہنا ہے

دائرہ دائرہ بنتا ہوں، بگڑ جاتا ہوں
جانے کس پل کو اَبد، کس کو اَزَل کہنا ہے

اتنا آساں نہیں اظہار محبت صہباؔ
اُس سے ہر بات بہ موقع و محل کہنا ہے

B-96، سرسوتی کنج، CGHS، 25 آئی پی ایکسٹینشن، دہلی۔92

اکبر شہابی

○

گام در گام یہاں رقص ہے زنجیروں کا
سلسلہ جانے کہاں ختم ہو تعزیروں کا

پیکر جہد و عمل بن کے جیے ہیں ہم لوگ
ہم نے رونا کبھی رویا نہیں تقدیروں کا

پوچھ لیتا ہوں جو زنداں سے صبا آئی ہے
کوئی نامہ، کوئی پیغام ہے زنجیروں کا

کیا تماشا ہے وہ کہلاتے ہیں اربابِ جنوں
تجربہ جن کو بیاباں کا نہ زنجیروں کا

اس نے کمرے میں، کتابوں میں سجا رکھی ہیں
مجھ سے اچھا ہے مقدر مری تصویروں کا

ان کے ہونٹوں پہ ملیں امن و وفا کی باتیں
وہ جو نیلام کیا کرتے ہیں شمشیروں کا

جانے کس حال میں اربابِ قفس ہیں اکبرؔ
شور گھٹتا ہی چلا جائے ہے زنجیروں کا

ممتاز محل، تال کٹورہ، ٹونک (راجستھان)